حقائق ووقائع

حامد میر، شاہد مسعود، عرفان صدیقی

سانحہ لال مسجد؛ تین معتبر صحافیوں کی نظر میں

1 حامد میر 'قلم کمان'

مولانا محمد عبداللہ مرحوم اپنے چھوٹے صاحب زادے عبدالرشید غازی سے اکثر شاکی رہتے تھے۔ مولانا صاحب مرکزی رؤیت ِہلال کمیٹی کے سربراہ تھے اور ملک بھر کے علما میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ اُنہوں نے اپنے دونوں بیٹوں عبدالعزیز اورعبدالرشیدکوبھی عالم دین بنانے کا فیصلہ کیا۔ عبدالعزیز نے انتہائی رضا و رغبت سے دینی تعلیم حاصل کی، لیکن عبدالرشیدکوتاریخ پڑھنے کا شوق تھا، والدکو ناراض کرکے اُنہوں نے قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد سے تاریخ میں ایم اے کیا۔

والد ان کی شادی خاندان میں کرنا چاہتے تھے لیکن عبدالرشید غازی نے بڑی منت سماجت کرکے اُنہیں اسلام آباد کی ایک ماڈریٹ فیملی میں شادی کے لئے راضی کیا۔ مولانا عبداللہ کے خاندان کی عورتیں گھر سے باہر نہ نکلتی تھیں لیکن عبدالرشید غازی کی اہلیہ اپنی سوزوکی آلٹو میں گھر سے نکلتیں تو اُنہیں گاڑی چلاتا دیکھ کر کچھ لوگ انگلیاں اُٹھایا کرتے لیکن عبدالرشید غازی کوکسی کی پروا نہ تھی۔

ان کی جدت پسندی کا یہ مطلب قطعاً نہ تھا کہ وہ اسلامی تعلیمات سے دور تھے۔ وہ زمانۂ طالب علمی سے ایک باریش نوجوان تھے لیکن ہمیشہ یہ کہتے کہ اسلام صرف داڑھی اور ڈھیلا ڈھالا لباس نہیں ہے بلکہ اسلام ہمارے اندر بھی ہونا چاہئے۔

۱۹۹۸ء میں مولانا محمد عبداللہ نے مولانا ظہوراحمد علوی، قاری سعید الرحمٰن اور کچھ دیگر علما کے ہمراہ افغانستان کا دورہ کیا۔ مولانا صاحب اپنے باغی صاحبزادے عبدالرشید غازی کوبطورِخاص ساتھ لے گئے۔ اس وفد کی قندھار میں ملا عمر اور اُسامہ بن لادن کے ساتھ ملاقات ہوئی۔ عبدالرشید غازی نے اُسامہ بن لادن سے علیحدگی میں ملاقات کی خواہش ظاہر کی لہٰذا اُن کی ایک گھنٹہ تک علیحدہ ملاقات ہوئی۔ عبدالرشید غازی اپنے والدکی طرح عربی میں رواں نہ تھے لہٰذا اُنہوں نے اُسامہ بن لادن سے انگریزی میں گفتگو کی۔ آخر میں عبدالرشید غازی نے اسامہ بن لادن کے ساتھ پڑا گلاس اُٹھایا اور ان کا استعمال شدہ پانی پی لیا۔ اُسامہ نے حیرانگی ظاہر کی تو غازی نے جواب میں کہا میں نے آپ کا پانی اس لئے پیا تاکہ اللہ مجھے بھی مجاہد بنائے۔

قندھار سے واپسی کے کچھ عرصہ بعد مولانا محمد عبداللہ کو لال مسجد کے احاطے میں ایک نامعلوم شخص نے گولی مار کر شہید کردیا۔ والد کی شہادت نے عبدالرشید غازی کوتبدیل کردیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب وہ وفاقی وزارتِ تعلیم میں ملازمت کرتے تھے اور مسجد و مدرسے سے ان کا زیادہ تعلق نہ تھا۔ عبدالرشید غازی اپنے والد کے قاتلوں کے پیچھے پڑ گئے اور آخر کار ایک شخص گرفتار ہوگیا۔ اس شخص کو موقع واردات کے تمام عینی شاہدوں نے شناخت کرلیا لیکن پولیس نے پراسرارطور پر اُسے چھوڑ دیا۔ والد کا قاتل پولیس کے ہاتھوں نکلنے کے بعد عبدالرشید

www.KitaboSunnat.com

کے اندر ایک طوفان نے جنم لیا۔ اُنہوں نے دینی علوم کا مطالعہ شروع کیا اور چند سالوں میں لال مسجد کے نائب خطیب بن گئے۔

جنوری ۲۰۰۷ء میں اسلام آباد میں سات مساجد کو شہید کیا گیا تو لال مسجد سے ملحقہ مدرسہ حفصہؓ کی طالبات نے ایک قریبی سرکاری لائبریری پر قبضہ کرلیا۔ لائبریری پر قبضہ مولانا عبدالعزیز اور ان کا اہلیہ اُمّ حسان کا تھا۔ عبدالرشید غازی اس فیصلے کے خلاف تھے لیکن اُنہوں نے بڑے بھائی کے احترام میں سرعام اختلافِ رائے نہیں کیا۔ لائبریری کا قبضہ ختم کرانے کے لئے وفاقی وزیر اعجاز الحق اور وفاق المدارس نے کوششیں کیں۔ کم از کم دو مرتبہ عبدالرشید غازی لائبریری کا قبضہ ختم کرانے کے قریب پہنچ گئے لیکن ہر مرتبہ حکومت نے ایک اور مسجد کو نوٹس جاری کرکے ان کوششوں پر پانی پھیر دیا۔

ایک موقع ایسا بھی آیا جب عبدالرشید غازی نے مجھے کہا کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حکومت جان بوجھ کر یہ مسئلہ زندہ رکھنا چاہتی ہے تاکہ دینی مدارس کو بدنام کرسکے۔ طے ہوا کہ حکومت کی ہر طرح کی اشتعال انگیزی کے باوجود لائبریری کا قبضہ ختم کردیں گے۔ افسوس کہ مولانا عبدالعزیز اپنے چھوٹے بھائی کی بات نہ مانے کیونکہ اُنہیں کچھ ایسے عناصر کی حوصلہ افزائی حاصل تھی جو کچھ حکومتی اداروں کی سرپرستی میں تھے۔ مجھے وہ لمحات بھی یاد ہیں جب عبدالرشید غازی اپنے بھائی کی ہٹ دھرمی کے خلاف بغاوت پر اتر آئے لیکن ان کی والدہ آڑے آگئیں۔ والدہ نے غازی سے کہا کہ بڑے بھائی کا ساتھ کبھی نہ چھوڑنا۔ والدہ کے حکم پر غازی نے سر جھکا دیا، پھر آنٹی شمیم اغوا ہوئی، پولیس اہلکار اغوا ہوئے اور چینی باشندے اغوا ہوئے۔ کس کے حکم سے اغوا ہوئے؟ یہ تو عبدالرشید غازی کو معلوم نہ ہوتا تھا لیکن میڈیا میں لال مسجد کا دفاع بڑے بھائی کا حکم تھا اور وہ اس کی تعمیل کرتے رہے۔

عبدالرشید غازی اور ان کے بھائی پر بہت سے الزامات لگے۔ اہم ترین الزام یہ تھا کہ اُنہوں نے حکومتی اداروں کی ملی بھگت سے ایک ڈرامہ رچا رکھا ہے تاکہ عوام کی توجہ عدالتی بحران سے ہٹی رہے۔ خود بے چارے غازی کو سمجھ نہیں آتی تھی کہ وہ اس الزام کو غلط کیسے ثابت کریں۔

جنوری ۲۰۰۷ء کے آخری ہفتے میں جنرل پرویز مشرف پر بھی یہ الزامات لگنے لگے کہ وہ جان بوجھ کر لال مسجد کے ذریعہ گڑبڑ پھیلا رہے ہیں۔ وجہ یہ تھی کہ چودھری شجاعت حسین کے لال مسجد والوں کے ساتھ مذاکرات کامیاب ہوگئے لیکن اُنہیں کہا گیا کہ آپ مذاکرات کو لمبا کریں۔ چودھری صاحب سے رہا نہ گیا اور اُنہوں نے مذاکرات کی ناکامی کی ذمہ داری حکومت پر عائد کردی۔ آخری ملاقات میں عبدالرشید غازی نے چودھری صاحب سے کہا کہ آپ مخلص انسان ہیں لیکن ہم جانتے ہیں کہ حکومت اس مسئلے کو کچھ مزید لمبا کرے گی اور مناسب وقت پر ہمیں ختم کرکے امریکہ کے سامنے سرخرو ہوجائے گی۔ ایک دن عبدالرشید غازی نے بھی کہا کہ اگر ہم واقعی قصوروار ہیں تو کیا حکومت ہماری بجلی پانی بند نہیں کرسکتی؟ ہم پھر بھی باز نہ آئیں تو اعصاب شکن گیس پھینک کر ہم سب کو گرفتار نہیں کرسکتی؟

۷ جولائی کو چودھری شجاعت حسین نے مجھے بلایا اور کہا کہ وہ آخری مرتبہ عبدالرشید غازی کے ساتھ بات چیت کرنا چاہتے ہیں لیکن جو فون نمبر ان کے پاس تھے وہ سب بند ہوچکے ہیں۔ چودھری صاحب دوبارہ رابطہ چاہتے تھے، میں نے کوشش کرکے عبدالرشید غازی سے رابطہ کیا اور اُنہیں چودھری صاحب کی خواہش سے آگاہ کیا۔ عبدالرشید غازی ہنسے اور بولے کہ چودھری صاحب معصوم ہیں، وہ نہیں جانتے کہ ہمیں مارنے کا فیصلہ ہوچکا ہے۔

www.KitaboSunnat.com

میرے اصرار پر انہوں نے چودھری صاحب سے دوبارہ رابطہ کیا اور یوں پھر سے مذاکرات شروع ہوگئے۔ ان مذاکرات میں عبدالرشید غازی نے بار بار کہا کہ میرے بڑے بھائی عبدالعزیز کو دھوکے سے باہر بلا کر گرفتار کرلیا گیا اور مجھے باہر بلا کر مار دیا جائے گا، لہٰذا بہتر ہے کہ میں ذلت کی موت کی بجائے لڑتے ہوئے مارا جاؤں۔ آخر کار وہی ہوا اور عبدالرشید غازی نے ہتھیار ڈالنے کی بجائے لڑتے ہوئے جان دینے کو ترجیح دی۔

آخری رابطوں کے دوران میں نے غازی صاحب سے کہا کہ دونوں طرف مسلمان ہیں، کوئی راستہ نکالیں کہ مسلمان ایک دوسرے کا خون نہ بہائیں۔ غازی صاحب نے کہا کہ میں نے بہت کوشش کی لیکن حکومت ہمیں رسوا کرنا چاہتی ہے، یہ سارا معاملہ حکومت کا کھڑا کیا ہوا ہے، حکومت نے اس معاملے میں بہت سے سیاسی مقاصد حاصل کئے اور آخر میں ہمیں رسوا کرکے مزید کامیابی حاصل کرنا چاہتی ہے۔ غازی صاحب کو یقین تھا کہ ان کی موت ہی ان کی فتح اور حکومت کی ناکامی ہوگی۔ وہ کہتے تھے کہ ہماری موت ہماری بے گناہی ثابت کرے گی اور ہمارا بدلہ اس ملک کے غیرت مند مسلمان لیں گے۔

اُنہوں نے اپنی غلطیوں سے کبھی انکار نہ کیا لیکن باربار کہا کہ ہماری غلطی اتنی بڑی نہ تھی۔ ہم نے مساجد کی شہادت پر احتجاج کرتے ہوئے ایک لائبریری پر قبضہ کرلیا، ہم پر گولیاں اور بم برسائے جارہے ہیں جب کہ مساجد شہید کرنے والوں کو کسی نے نہیں پوچھا، غازی نے جان کی قربانی دے کر وہ داغ دھوڈالا جو ان کے بھائی کی برقعے میں گرفتاری سے ان کے خاندان کی عزت پر لگا تھا۔

میں نے لال مسجد انتظامیہ کے اقدامات کی کبھی حمایت نہیں کی لیکن جس انداز میں لال مسجد کے خلاف طاقت استعمال کی گئی، وہ قابل مذمت ہے۔

حکومت چاہتی تو یہ مسئلہ ایک گولی چلائے بغیر بھی حل ہوسکتا تھا لیکن کچھ عناصر نے دانستہ خونریزی کا راستہ اختیار کیا۔ عبدالرشید غازی مرنے کے بعد پہلے سے زیادہ خطرناک ہوگئے ہیں۔ اسی لئے اُنہیں اسلام آباد میں ان کے والد کے پہلو میں دفن کرنے کی بجائے روجھان مزاری میں دفن کیا گیا۔ غازی کو اپنے والد کے قتل پر انصاف مل جاتا تو وہ شاید آج بھی وزارتِ تعلیم میں ایک افسر ہوتے۔ اُنہوں نے ناانصافی کے ردِعمل میں بغاوت کی۔ ان کے ساتھ جو کچھ بھی ہوا، اس کے صحیح یا غلط ہونے کا فیصلہ اس دنیا کی عدالت میں نہیں بلکہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی عدالت میں ہوگا۔

(روزنامہ جنگ:۱۲/جولائی ۲۰۰۷ء)

☆ ☆ ☆

❷ ڈاکٹر شاہد مسعود 'میرے مطابق'

کون تھیں؟......کہاں چلی گئیں؟

جُرم تو صرف اتنا تھا کہ وہ معاشرے سے بدکاری کے خاتمے کا عزم لئے باہر نکلیں اور ایک قحبہ خانہ چلاتی عورت کو سبق سکھانے اپنے ساتھ لے آئیں اور دو تین روز بعد اُسے برقعہ پہنا کر ...... توبہ کروا کے چھوڑ دیا...... !! پھر ایک مالش کے مرکز پر جا پہنچیں اور وہاں جسم فروشی کرتی خواتین کو اپنے ہمراہ لاکر خوب جھاڑ پلائی......اور پھر نصیحت کے بعد روانہ کردیا۔ ڈنڈے لے کر گھومتیں مگر کسی کا سر تو نہ پھاڑا، اس وطن عزیز میں جہاں حکمرانوں اور طاقتوروں میں سے ہر دوسری شخصیت کسی لینڈ مافیا سے وابستہ ہے۔ وہ مسجد شہید ہونے کے بعد پڑوس کی ایک لائبریری پر جا دھمکیں۔ روشن خیال، خوشحال، خوش پوش دار الحکومت کی عظیم الشان کوٹھیوں کے درمیان، جن کی اکثریت رات گئے شراب و شباب کی محفلیں اپنے

عروج پر دیکھا کرتی ہے ...... ایک کونے میں یہ معصوم، سادہ، حجاب میں ملبوس، پاکیزہ روحیں ...... تلاوتِ قرآن پاک میں مگن رہتیں۔

کون تھیں؟ ......کہاں چلی گئیں؟

میں جب اُن سے ملا تو ان کے لہجے میں عجب اُکتاہٹ اور محرومیت کا احساس ہوا۔ آنکھوں میں اُداسی، معاشرے سے شکایت اور بیزاری، سونے کے کنگنوں سے محروم کلائیوں اور نیل پالش سے محروم ہاتھوں میں ڈنڈے اُس بے کسی کا اظہار تھے...... جو غریب سادہ لوح گھرانوں کی اس شریف اور باکردار بچیوں کی آنکھوں سے بھی کراہ رہی تھی۔

ان کے طرزِ عمل سے ذرا سا اختلاف کرنے کی گستاخی ہوئی تو سب اُلجھ پڑیں۔ شاہد بھائی! آپ کو کیا پتہ؟ ڈاکٹر صاحب! آپ نہیں جانتے۔ کسی آیت کا حوالہ...... کسی حدیث کی دلیل...... سب ایک ساتھ پل پڑیں۔ آپ کو پتہ ہے امریکہ میں کیا ہورہا ہے؟ یہ یہودیوں کی سازش ہے۔ ہمارے دشمنوں کی چال ہے...... صلیبی جنگ ہے وغیرہ وغیرہ۔ میں بڑی مشکل سے اُنہیں اپنی غلطی تسلیم کرنے کے بعد ...... چپ کروانے میں کامیاب ہو سکا۔ اُن کی نگران اُمّ حسان نے اسی دوران بتایا کہ ''یہ طالبات ایک عرصے سے یہاں آئے مرد مہمانوں سے گفتگو نہیں کرتیں لیکن آپ سے ملنے کے لئے ان کی ضد تھی۔ میں نے خاموشی مناسب تصور کرتے ہوئے اُن کی گفتگو سننے میں عافیت تصور کی۔ یہ میرے لئے ایک مختلف دنیا تھی۔ شاید یہ فیشن زدہ، جدیدیت کی دلدل میں ڈوبی ٹی شرٹ جینز میں ملبوس خوش شکل لڑکیوں کو ...... ہرروز اپنے چھوٹے کمروں کے روشن دانوں سے جھانک کر...... باہر سڑکوں پر ڈرائیونگ کرتا دیکھتی ہوں۔ ممکن ہے ......قریبی بازار تک آتے جاتے ان کے کانوں تک بھی دلفریب نغموں کی تھاپ پہنچتی ہوگی۔ کچی عمروں میں یقیناً ان کی آنکھیں بھی خواب دیکھتی ہوں گی۔ ان کا دل بھی کبھی اچھے رشتوں کی آس میں دھڑکتا ہوگا۔ ان کا بھی عید پر نئے کپڑے سلوانے، ہاتھوں میں حنا سجانے اور چوڑیاں پہننے کو جی للچاتا ہوگا۔ لیکن آرزوئیں، خواہشات اور تمنائیں ناکام ہوکر منوں مٹی کے نیچے اس طرح جاچھپیں کہ پھر نہ چہرے رہے...... نہ شناخت۔ صرف آوازیں تھیں جو اَب تک میرے کانوں میں گونجتی ہیں۔

انہی میں ایک چھوٹی بچی ...... یہی کوئی آٹھ دس برس کی......حجاب میں اس طرح ملبوس کہ چہرہ کھلا تھا ...... گفتگو سے مکمل ناواقفیت کے باوجود مسلسل ہنسے جاتی تھی کہ شاید یہی مباحثہ...... اس کی تفریح کا سبب بن گیا تھا۔ بیٹی آپ کا نام کیا ہے......؟ میرے سوال پر پٹ سے بولی ''اسماء......انکل'' پیچھے کھڑی اس کی بڑی بہن نے سر پر چپت لگائی۔ انکل نہیں ...... بھائی بولو! ''خدا جانے اس میں ہنسنے کی کیا بات تھی کہ چھوٹے قد کے فرشتے نے اس پر بھی قہقہہ لگا کر دہرایا 'جی بھائی جان!' آپ کیا کرتی ہیں؟ میں نے ننھی اسماء سے پوچھا۔ ''پڑھتی ہوں؟'' کیا پڑھتی ہو بیٹا؟ جواب عقب میں کھڑی بہن نے دیا: ''حفظ کررہی ہے بھائی'' اور بھی کچھ پڑھ رہی ہیں؟ میں نے پوچھا۔ ''جی ہاں! کہتی ہے بڑی ہوکر ڈاکٹر بنے گی۔ بہن نے جو کہ یہی کچھ پندرہ سولہ برس کی مکمل حجاب میں ملبوس تھی، جواب دیا'' آپ دوبہنیں ہیں؟ میں نے سوال کیا۔ ''جی ہاں بھائی!'' بڑی بہن نے اسماء کو آغوش میں لیتے ہوئے کہا۔ تین بھائی گاؤں میں ہیں...... ہم بٹہ گرام سے ہیں نا۔ کھیتی باڑی ہے ہماری۔

میں جامعہ حفصہ اور لال مسجد میں ایک پروگرام کی ریکارڈنگ کے سلسلے میں موجود تھا...... طالبات اور عبدالرشید غازی صاحب سے گفتگو کے بعد میں نے بچیوں کو خدا حافظ کہہ کر غازی صاحب کے ساتھ

www.KitaboSunnat.com